منظوم آپ بیتی "آئینہ در آئینہ" کا تجزیاتی مطالعہ

The Analytical Study of autobiography "Aaina Dar Aaina"

Dr. Nazia Malik

Assistant Professor, Urdu Department, NUML, Islamabad

Email: nmalik@numl.edu.pk

Romaisa Sohail Alvi

MA, Urdu Department, NUML, Islamabad

ABSTRACT:

The article named "Aap beeti AAINA DAR AAINA Ka Tajziati Mutalia" gives the analysis of the autobiography of poet Himayat Ali Shair named "Aaina Dar Aaina".

In the autobiography Himayat has presented the brief history of his life events. The book shows the Historic, Social and Cultural events, not only relates to the Poet bur also his country Pakistan.

In the Article we have tried to understand the autobiography through these Elements: What is Aap beeti (autobiography), Tradition of poetic autobiography, a small introduction of Himayat in the light of autobiography, Intellectual and Technical analysis of the autobiography "Aainda dar Aainda".

As for as the Stylistic is concerned, we can declare that the author has made a great effort, therefore, He has set an example which is unique in its style.

KEYWORDS: *Autobiography; Aaina; Himayat; Ali; Aap beeti;*

اردو ادب اپنے دامن میں مختلف اصناف کے متنوع موتی پروئے ہوئے ہے جو نہ صرف اردو ادب کے دامن کو وسعت دیتے بلکہ اسے ہمہ گیری اور عالمگیریت بھی بخشتے ہیں۔ انہیں اصناف میں ایک صنف آپ بیتی بھی ہے۔ ذیل میں ہم آپ بیتی کو مختلف محققین کی آرا کی روشنی میں سمجھنے کے بعد حمایت علی شاعر کی آپ بیتی "آئینہ در آئینہ" کا تجزیہ پیش کریں گے۔

کسی بھی صنف سے متعلقہ کتاب کا مطالعہ کرنے سے بیشتر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس صنف سے بخوبی آگہی حاصل کر لی جائے۔ ذیل میں ہم محققین کی آرا کی روشنی میں آپ بیتی سے آگہی حاصل کرنے اور اس کی مبادیات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اپنی کتاب اصناف ادب میں لکھتے ہیں:

اپنی زندگی کے احوال و واقعات کا بیان "آپ بیتی" کہلاتا ہے، اسے خود نوشت بھی کہہ سکتے ہیں۔¹

آپ بیتی کا ذکر ابوالعجاز حفیظ صدیقی اپنی کتاب "ادبی اصطلاحات کا تعارف" میں کچھ یوں کرتے ہیں:

وہ تصنیف جس میں مصنف نے اپنے حالات زندگی خود قلم بند کیے ہوں۔ جامعیت، غیر جانبداری، بے لاگ صداقت، واقعات کے اسباب و علل کی جستجو اور باطنی دنیا کے غوامض وہ اوصاف ہیں جن کی ہم ایک اچھی سوانح عمری سے توقع کرتے ہیں اور آپ بیتی سے یہی توقعات زیادہ شدید صورت میں وابستہ ہوتی ہیں۔²

ڈاکٹر گیان چند کے بقول آپ بیتی: "سوانح کی وہ قسم ہے جس میں کوئی خود اپنی سوانح لکھتا ہے"³۔ علم الدین سالک نے "نفوس" آپ بیتی نمبر میں مولانا جعفر تھانیسری کی آپ بیتی "کالا پانی" کو اردو کی پہلی آپ بیتی⁴ جبکہ ڈاکٹر اطہر قسیم نے عبدالغفور نساخ کی "حیات نساخ" کو اردو کی پہلی آپ بیتی قرار دیا ہے۔⁵ لیکن ڈاکٹر معین الدین عقیل کے مطابق ستمبر 1980ء کی تحریر کردہ خود نوشت "سیر الاسلام" (شائع شدہ مشتری پریس کلکتہ، 1980ء) اردو کی پہلی خود نوشت ہے۔⁶

آپ بیتی میں ایک روایت منظوم آپ بیتی کی بھی ہے گوا اس کا وجود بہت پرانا نہیں ہے مگر اس کے ابتدائی نقوش ہمیں قدیم مثنویوں میں باسانی مل جاتے ہیں۔ کوئی بھی مثنوی نگار، مثنوی کے آغاز میں اپنے حالات اور اپنے گرد و پیش کے حالات قلم بند کرتا تھا۔ مثنوی کا یہ حصہ منظوم آپ بیتیوں کی ابتدائی شکل قرار پاتا ہے۔ مثنوی کے علاوہ ہمیں واضح آپ بیتی منظوم شکل میں دو شعر اور ادبا کے ہاں نظر آتی ہے۔ ان میں اول ڈاکٹر وزیر آغا کی "آدھی صدی کے بعد" ہے جو 1981ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ اس کے بعد دوسرا حوالہ حمایت علی شاعر کا ہے جنہوں نے "آئینہ

در آئینہ" کے نام سے اپنی آپ بیتی شائع کی۔ ایک باقاعدہ شکل اور تاریخی حوالوں کی وجہ سے حمایت علی شاعر نے اپنی آپ بیتی کو اردو کی پہلی منظوم آپ بیتی قرار دیا ہے۔ چنانچہ حمایت رقمطراز ہیں:

نثر میں خود نوشت سوانح حیات بہت لکھی گئی ہیں مگر نظم میں یہ "پہلا تجربہ" ہے۔ میں اسے پہلا تجربہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس میں واقعات 'تاریخی حوالوں کے ساتھ مرتب ہوئے ہیں۔⁷

لیکن آپ بیتی کو عموماً سوانح عمری سے کم درجہ دیا جاتا ہے اور اسے معیاری ماننے میں بحث ہے کیونکہ محققین کے نزدیک بے لاگ اور غیر جانبدارانہ آپ بیتی لکھنا ممکن نہیں۔ ان کے نزدیک اس میں بہت سے عوامل قصور وار ٹھہرتے ہیں جس میں خود مصنف کا اپنے گرد و پیش سے خوف اور نرسیت میں مبتلا ہونا بھی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر سید عبد اللہ اپنے مضمون "اردو میں آپ بیتی" میں لکھتے ہیں:

آپ بیتی کا خود نوشت سوانح عمری کی صنف دوسروں کی لکھی ہوئی سوانح عمری کے مقابلے میں خاصی نارسا اور ناقص چیز ہوتی ہے اس کے راستے میں دور کاوٹیں ہوتی ہیں۔ دوسروں کا خوف اور اپنے آپ سے محبت۔⁸

یہی وجہ ہے کہ دوسروں کے بارے میں سچ لکھنا تو پھر بھی آسان امر ہے مگر اپنے بارے میں کھر دردی زبان استعمال کرتے ہوئے سچ لکھنا ایک نہایت تکلیف دہ امر ہے جس کا ہر ادیب متحمل نہیں ہو سکتا۔ آئینہ در آئینہ حمایت علی شاعر کی منظوم آپ بیتی ہے جو ۱۹۹۵ء سے ۱۹۹۹ء کے درمیان "افکار" میں وقتاً فوقتاً طبع ہوتی رہی اور بعد میں کتابی صورت میں بھی شائع ہوئی۔ یہ کتاب مصنف نے صہبا لکھنوی کی تحریک پر تشکیل دی۔ آپ بیتی کو منظوم شکل میں ڈھالنے کا خیال نکھت بریلوی نے شاعر کو بھایا۔ چنانچہ حمایت نے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی ٹھان لی۔ اور اپنے مقصد میں کامیاب ٹھہرے۔ مثنوی کی ہیئت میں لکھی گئی یہ آپ بیتی اپنی مثال آپ اور فنی اعتبار سے پہلا تجربہ ٹھہرتا ہے۔ یہ آپ بیتی ساڑھے تین ہزار اشعار پر مشتمل ہے جس میں بہت سے شذرات بھی شامل ہیں۔ مثنوی کو ۱۵ ابواب میں منقسم کیا گیا ہے جس میں حمایت کی زندگی کے اتار چڑھاؤ کی کمال عکاسی ملتی ہے۔ آپ بیتی میں خود مصنف نے اپنی زندگی و فکر و فن پر روشنی ڈالی ہے نیز اپنی عمر کے ابتدائی حصے سے لے کر کتاب کی تشکیل تک کے واقعات کو نہایت خوبصورتی سے کتاب میں سمویا ہے۔

حمایت علی شاعر ۱۴ جولائی ۱۹۲۶ء کو اورنگ آباد، بھارت میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ایک فوجی خاندان سے اور ابتدائی نام حمایت تراب تھا۔ اپنے تخلیقی سفر کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا اور بعد میں شاعری میں طبع آزمائی کی۔ ۱۹۵۰ء

میں حمایت کراچی آکر ریڈیو پاکستان سے وابستہ ہو گئے۔ یہیں ریڈیو میں مختلف ذمہ داریاں انجام دینے کے ساتھ ۶۰ء کے عشرے میں گیت نگاری کی حیثیت سے فلمی دنیا میں قدم رکھا۔ انہوں نے نہ صرف ادبی ماحول میں اپنی زندگی بسر کی بلکہ ریڈیو، ٹیلی وژن، فلم، صحافت اور تدریس کے شعبے میں بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ ۲۰۰۲ء میں آپ کو پرائیڈ آف پرفارمنس سے نوازا گیا۔

آپ بیتی کی ابتدا میں شاعر نے اپنے ابتدائی وطن یعنی اورنگ آباد کا نقشہ کھینچا ہے اور اس کے تاریخی مناظر کی عمدہ تصویر کشی کی ہے۔ آپ بیتی کی ابتدا میں مصنف نے قارئین کو اپنے خاندانی پس منظر سے آگے دی ہے۔ اپنے والدین اور دادا وغیرہ کا ذکر بھی موجود ہے۔ ماں کی موت سے لے کر زندگی کے تمام نشیب و فراز کا بہت ہمت سے سامنا کیا۔ زندگی نے جتنے بھی سبق دیے اور جتنی بھی مشکلات و تنگیاں آئیں ان سب کا بیان ان آپ بیتی میں موجود ہے۔ حمایت علی شاعر کی اہلیہ معراج نسیم ۱۹۴۹ء میں آپ کی شریک سفر بنیں۔ نئے ملک میں آکر جن حالات کا سامنا کرنا پڑا ان کا سب کا نقشہ آپ بیتی میں موجود ہے۔ ترقی پسند تحریک کے اوپر جو قد غنیں لگیں ان کا ذکر بھی بہت اچھوتے انداز میں کیا گیا ہے۔ شاعر نے ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کے واقعات اور خونی حادثات کو نہایت درد مندی سے بیان کیا ہے۔ آپ بیتی میں جا بجا سیاسی شعور سے آگے ملتی ہے اور ملک کی مجموعی سماجی و معاشرتی ماحول کی عکاسی بھی ملتی رہتی ہے۔ آپ بیتی میں ۱۹۹۹ء تک کے مصنف کی زندگی کے ہر دور کے حالات موجود ہیں۔ خصوصاً بیسویں صدی کے نصف آخر کا دور سنہرے حروف میں لکھنے کے لائق ہے۔

مثنوی کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں "حرف حرف روشنی" کے عنوان سے ایک پورا حصہ بطور خاص اپنے بچوں کے لیے لکھا ہے لیکن وہ درحقیقت پوری قوم کے بچوں اور پورے عہد کی نئی نسل سے مخاطب ہیں۔ آپ بیتی میں ایک مخصوص دور کی سیاسی، معاشرتی اور ادبی اقدار جھلکتی نظر آتی ہیں۔ حمایت نے نہایت سادگی، لطافت اور روانی کے ساتھ واقعات کو شعری پیرائی پہنایا ہے۔ ذیل میں ہم آپ بیتی "آئینہ در آئینہ" کا تجزیہ پیش کریں گے۔

آپ بیتی کی تشکیل کا ایک اہم جزو اس میں اہم تاریخی و شخصی واقعات کا بیان ہوتا ہے۔ انہیں واقعات کی بدولت ہمیں ایک مخصوص عہد کا مطالعہ کرنے اور اک مخصوص معاشرت سے روشناس ہونے کا موقع میسر آتا ہے۔ اس حوالے سے جب ہم "آئینہ در آئینہ" کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس میں بہت سے نمایاں واقعات کا بیان نظر آتا ہے۔ یہ واقعات جہاں تاریخی اہمیت کے حامل ہیں وہیں بہت سے واقعات شخصی و نجی نوعیت کے ہیں۔ ان واقعات کی مدد سے ہم ملک کی اور اس مخلوط عہد کی تہذیب و ثقافت اور عہد بہ عہد ترقیوں کا جائزہ آسانی لے سکتے ہیں بقول ڈاکٹر محمد اشرف کمال:

پاکستان بننے کے بعد جو خود نوشت سوانح عمریاں سامنے آئی ہیں ان میں ڈاکٹر سید عبداللہ
 --- حمایت علی شاعر اور شکیلہ اختر وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کی مدد سے ہم ایک
 قوم، ملت اور ملک کی تہذیب کی ابتدا اور عہد بہ عہد ترقیوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو تاریخ
 کے طالب علم کے لیے بڑی ضروری اور بڑی اہم ہیں۔⁹
 مصنف نے اپنے شہر کی تاریخ کا نقشہ نہایت عمدگی کے ساتھ کھینچا ہے۔ اس حوالے سے وہ اورنگ آباد کا نہ صرف اچھوتا
 ذکر کرتے ہیں بلکہ اس کے قدیم نام بھی گنواتے جاتے ہیں۔

یہ شہر جس کو سب اورنگ آباد کہتے ہیں یہاں پہ صدیوں سے میرے بزرگ رہتے ہیں

بہت زمانہ ہوا اس کا نام "کھڑکی" تھا جو "فتح خان" کے ہاتھوں "فتح نگر" بھی ہوا

پھر اس کے بعد مغل دست برد میں آیا اور اس پہ پڑ گیا اورنگ آباد کا سایا (ص ۱۷)

آپ بیتی میں وہ بہت سے نمایاں شہروں اور شخصیات کا بیان بھی کرتے ہیں۔ دکن کا تفصیلی ذکر اس میں نمایاں حیثیت کا
 حامل ہے۔ اس کے علاوہ "تاج محل" کا ذکر بھی ہمیں اس میں دیکھنے کو ملتا ہے۔

وہ "مقبرہ" وہ دکن کا حسین "تاج محل" وہ "بادشاہی محبت" کا ایک راج محل (ص ۱۸)

پھر اگر مصنف کے ذات کی بات کی جائے تو اس میں مصنف کی زندگی کے بھی نمایاں پہلوؤں اور واقعات کا احاطہ کیا گیا
 ہے۔ جیسے مصنف کے آباؤ اجداد کی تاریخ اور ان کے واقعات، خاندانی حالات، مصنف کی پیدائش اور بچپن کے حالات
 نیز اپنا تخلص "شاعر" رکھنے کی وجہ بھی منظوم رنگ میں بیان کی ہے۔ دیکھئے:

کسی نے طنز میں جب مجھ کو کہہ دیا "شاعر" تو میں نے ضد میں تخلص ہی رکھ لیا شاعر (ص ۴۰)

کسی بھی ادبی تخلیق کا ایک نمایاں عنصر اخلاقی و فکری جرات ٹھہرتا ہے۔ بالخصوص آپ بیتی میں یہ عنصر مزید نمایاں ہو
 جاتا ہے کیونکہ اس میں مصنف نے اپنی زندگی سے متعلقہ واقعات کو صداقت اور بے باکی کے ساتھ عوام کے سامنے لانا
 ہوتا ہے۔ اگر مصنف میں اخلاقی و فکری جرات کا فقدان ہو تو اس میں نہ صرف شدید تشنگی کا عنصر پایا جاتا ہے بلکہ وہ
 تحریر اپنی تاریخ اور ماحول کی صحیح عکاس بھی نہیں بن پاتی۔

اس حوالے سے جب ہم "آئینہ در آئینہ" کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ اخلاقی و فکری جرات جا بجا دیکھنے کو ملتی
 ہے۔ مصنف نے نہایت بے باک انداز میں اپنی کتاب میں حقائق کو پیش کیا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ بیتی کے مضامین

منظر عام پر آنے کے بعد ایک طوفان سا اٹھ کھڑا ہوا اور مصنف کے جاننے والے اور دوسرے آشنا لوگ مصنف سے ناراض ہو گئے مگر مصنف نے ان سب کی کوئی پروا نہیں کی۔ مصنف خود رقمطراز ہے:

بین السطور سے "تاریخ کی صداقت" کو نکالنا اور ایسے شاعرانہ لباس میں پیش کرنا کہ
خود و خال اور قد و قامت کا بھی پتہ لگ جائے اور "بے حجابی" کا الزام بھی نہ آئے
۔۔۔ ایک مشکل کام تھا۔ ہماری دیدہ وری اپنی آنکھ کے شہتیر کم ہی دیکھ پاتی ہے۔ چنانچہ
بہی ہوا۔۔۔ بعض صداقتیں بے نقاب ہوئیں تو کچھ حضرات کے دل کے چور جاگ
اٹھے اور "پردہ داری" کی بجائے "پردہ داری" کا عمل شروع ہو گیا۔¹⁰

اس حوالے سے ہم دیکھتے ہیں کہ مصنف نے جا بجا اپنے رشتہ داروں کی عدم توجہی پر طنز کیا ہے۔ یہ دراصل حقائق کا بیان
نہ ہے کیونکہ ضرورت کے وقت اگر کوئی رشتہ کام نہ آئے تو وہ رشتہ نہیں ٹھہرتا۔ مصنف کے گھر والوں کو جب بھی
کوئی مشکل درپیش آئی تو اس کے خاندان والوں نے پہلو تہی کی اور کسی قسم کوئی مدد نہ کی مگر جو نبی مصنف کے والد
پولیس افسر بن جاتے ہیں تو سب لوگ مطلب کی بدولت آنا جانا شروع کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے مصنف شدید
نالاں ہیں اور لکھتے ہیں:

سنہ ہے جب مرے ابا ہوئے پولس افسر
سبھی عزیز بہت مہرباں ہوئے ہم پر
وہ دادی ماں کا بہت ہی خیال رکھتے تھے
ہمیشہ جیب میں کچھ حسب حال رکھتے تھے
جو لوگ کھیتوں میں قبضہ جمائے بیٹھے تھے
سنہ وہ بھی سروں کو جھکائے بیٹھے تھے (ص ۲۹)

یہی مصنف کی اخلاقی و فکری جرات ہی ہے کہ وہ حق سچ بات کہنے کو اپنا وظیفہ بنا لے ہیں اور کسی مذہبی عقیدے کو بھی
محض تقلید کی بنا پر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہو جاتے۔ وہ مذہبی طبقے پر جگہ جگہ چوٹ کرتے ہیں، ان سے سوال
کرتے ہیں اور جواب نہ پائیں تو طنز کے تیر برساتے ہیں:

وہ بادشہ ہو کہ نواب، مولوی ہو کہ پیر
میری نگاہ میں سب ہی تھے مجرمانِ ضمیر
سبھی منافق و موقع پرست و جاہ پرست
خدا و دیں کے مبلغ تھے اور شاہ پرست (ص ۴۱)

پس مصنف نے آپ بیتی میں نہایت اخلاقی جرات کا مظاہرہ کیا ہے اور جہاں جہاں ان کو کسی بات کی سمجھ نہیں آتی وہ
سوال کرتے ہیں اور ہر غلط بات پر صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔

آپ بیتی کا ایک اہم رکن اس میں موجود مصنف کی شخصیت کا اظہار ہے۔ اس حوالے سے جن "آئینہ در آئینہ" کا تجزیہ
کریں تو ہمیں اس میں مصنف کی شخصیت نمایاں ہو کر ابھرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ مصنف نے اپنی زندگی کا بیان نہایت

اعلیٰ رنگ میں کیا ہے اور ہمیں اپنے خاندانی پس منظر سمیت اپنے مذہبی و سیاسی و معاشرتی خیالات کے متعلق آگہی دی ہے۔

شخصیت کے اظہار میں ہمیں مجموعی طور پر پوری آپ بیتی میں ایک افسردگی کا سماں چھایا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مصنف کی ابتدائی زندگی گونا گوں مصائب میں گزری اس حوالے سے مصنف پر گہری قنوطیت اور افسردگی چھائی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ والدہ کی وفات کے غم نے مصنف کو بالکل نڈھال کر دیا:

وہ ایک چھوٹا سا لڑکا، اور ایک قبرستان

وہ ایک بیڑ کی چھاؤں، اداس اور سنسان

وہ کھوئی کھوئی سی آنکھوں میں جستجو کوئی

لرزتے ہونٹوں میں اپنے سے گفتگو کوئی

بس اک خیال کہ اماں مری نہیں ہے کہیں

اسی جگہ پہ اتاری گئی ہے زیر زمیں (ص ۳۲)

اور بعد میں یہ غم بہن کی وفات نے مزید بڑھا دیا۔ اس کے علاوہ ہمیں شخصیت کے حوالے سے مصنف کی طبیعت میں بغاوت کا مادہ نظر آتا ہے، وہ حق بات کہنے کو ہر چیز پر فوقیت دیتا ہے خواہ اس کو کتنی ہی پریشانی کیوں نہ اٹھانی پڑے۔ علاوہ ازیں مصنف سوالیہ فطرت کا مالک واقع ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ کسی بھی چیز، عقیدے پر آنکھ بند کر کے یقین نہیں کر لیتا بلکہ پہلے اس پر خود مکمل اطمینان کرتا ہے اور پھر اس پر یقین کر کے دوسروں کو اس سے آگہی دیتا ہے۔

میں سوچتا تو ہر اک چیز بے تکی لگتی

فلک کی پٹی بھی مجھ کو جھکی لگتی

میں بات بات پہ ان سب پہ معترض ہوتا

غلط عقائد و مذہب پہ معترض ہوتا (ص ۳۱)

مذہبی بحثوں کے حوالے سے مصنف کے ہاں بہت سے اشعار دیکھنے کو ملتے ہیں وہ عقیدے کو پر کھنے پر یقین رکھتے ہیں اور سنی سنائی بحثوں میں نہیں الجھتے۔ یہ مصنف کی شروع سے ہی فطرت رہی ہے اسی حوالے سے مصنف نے اپنی ایک ابتدائی نظم کا حصہ بھی نقل کیا ہے جس میں تقدیر کے موضوع پر کھل کر بات کی گئی ہے۔ مصنف انہی باتوں کی وجہ سے اپنی عمر کے بچوں سے بہت الگ تھا اور اس میں بغاوت کا عنصر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ انہی باغی باتوں اور حرکتوں کی وجہ سے بزرگوں کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا:

میں اپنی عمر کے لڑکوں سے مختلف تھا بہت

ہر اک روایت کہنہ سے مخرف تھا بہت

کتا میں پڑھتا تھا ایسی جو باغیانہ تھیں

سبھی بزرگوں کی نظروں میں "کافرانہ" تھیں (ص ۳۹)

آپ بیتی کی ایک خاص بات اس میں موجود ادبی و تعلیمی ماحول کی منظر کشی ہے۔ چونکہ مصنف کا اپنا تعلق تعلیم اور ادب سے متعلق ہے یہی وجہ ہے کہ آپ بیتی میں ادبی اور تعلیمی حوالے بہت کثرت سے دیکھے جاسکتے ہیں۔

اس حوالے سے آپ بیتی میں آغاز تا اختتام جگہ جگہ حوالے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ مصنف نے دکن کے ادبی ماحول اور اورنگ آباد کی بالخصوص ادبی فضا کو آغاز میں بہت نمایاں پیرائے میں بیان کیا ہے۔ قلی قطب چاہ، ولی دکنی، سراج، شفیق، صفی، عبدالحق، حبیب جالب، افتخار، فیض، راشد، عصمت چغتائی، منٹو، میراجی، مجروح، ساحر لدھیانوی، کرشن چندر، بیدی، احمد ندیم، فراق گھور کھپوری، مجنوں، کلیم، اختر، سجاد، احتشام، فرانڈ، کارل مارکس، اقبال اور اس جیسی دوسری بہت سی نمایاں ادبی شخصیات، آپ بیتی میں جلوے بکھیرتے نظر آتی ہیں۔

وہ کامریڈ حبیب، افتخار اور اشرف وہ جن کے وصف سے یہ شہر تھا ہمہ اوصاف (ص ۴۴)

ولی، سراج، شفیق اور صفی کے لہجے میں حقیقتیں ہیں فروزاں ادب کے پردے میں (ص ۱۹)

لیکن یہ ذکر صرف ادبی شخصیات کے حوالے سے ہی محدود نہیں بلکہ اس میں بہت سی نادر کتب نیز ادبی رسائل و جرائد وغیرہ کا تذکرہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے جیسے "گلشن گفتار"، "رسالہ اردو"، "اودھ پنچ"، "نگار"، "جگنو"، "شاہین"، "ضرب کلیم" وغیرہ وغیرہ۔

اس کے ساتھ ساتھ بہت سے ادبی مقامات، ادبی ماحول، ادبی بیٹھکوں، مشاعروں، لائبریریوں، ادبی تحریکات و نظریات وغیرہ کا بیان بھی بہت سے مقامات پر دیکھنے کو ملتا ہے۔ اسی طرح قیام پاکستان سے پہلے ادبا پر جو مظالم ڈھائے گئے اور قیام پاکستان کے بعد ادبا اور شاعروں کو مارشل لاء اور شخصی سیاسی ماحول میں جن مسائل کا سامنا کرنا پڑا ان سب کا بیان اس کتاب کی زینت بنایا گیا ہے۔ ادبی حوالے سے ایک نمایاں پہلو آپ بیتی میں موجود مشرقی و مغربی پاکستان کی ادبی فضا کے تضاد کا بیان ہے جس کی طرف بہت کم محققین نے توجہ دی ہے۔ غرض پوری آپ بیتی ایک مخصوص ادبی ماحول میں ڈھلی ہوئی نظر آتی ہے۔

آپ بیتی ملک میں ہونے والی سیاسی و سماجی مناظر کی عمدہ تصویر کشی کرتی ہے۔ ملک کیسے عہد بہ عہد کروٹیں لیتا رہا اور کیسے سیاسی سازشیں اور نظریات پھیلنے لگے ان کا بیان بھی موجود ہے۔ اس طرح یہ ایک نیم تاریخی دستاویز کی حیثیت بھی اختیار کر جاتی ہے۔ مصنف کو خود بھی اس چیز کا اندازہ تھا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے خود اس آپ بیتی کو تاریخ کا مطالعہ قرار دیا ہے:

یہ سوانح حیات ایک فرد کی معرفت، ایک تاریخ کا بھی آئینہ دکھاتی ہے۔ اس میں مسائل

کا تجزیہ بھی ہے اور وہ نقطہ نگاہ بھی جو ہمارے معاشرے میں ابھی تک "شجرہ ممنوعہ" کی

حیثیت رکھتا ہے۔¹¹

جبکہ ڈاکٹر محمد اشرف کمال کے مطابق:

"آئینہ در آئینہ" حمایت علی شاعر کی منظوم خود نوشت سوانح حیات ہے۔ حمایت علی شاعر کی خود نوشت اپنے عہد اور سماج کی تصویر کشی کرتی ہے۔¹²

آپ بیتی میں مغربی پاکستان کے پسماندہ علاقوں کا بیان ہے، کے پی کے اور بلوچستان میں رہنے والے قبائلی سرداروں کے ظلم و ستم کا بیان ہے، اس کے علاوہ پنجاب کے زمینداروں کا طرز زندگی، ان کا مزارعوں پر ظلم، پورے ملک کا سیاسی انحطاط، مغرب کی کاسہ لیبسی، حکمرانوں کی لوٹ مار، عدم اطمینان، عدم تحفظ، بم دھماکے، بد امنی، صحت و توانائی کی قلت، تضادات میں مبتلا معاشرہ اور سیاستدان ان سب کا نہایت درد بھرے انداز میں ذکر کیا ہے۔

کراچی شہر کہ ہے شہر قائد اعظم بہت دنوں رہا اس کا عجیب ہی عالم

کہیں بھوں کے دھماکے، کہیں چلے گولی کہیں پہ کھلیں "مسلمان" خون کی ہولی (ص ۳۲۴)

پاکستانی معاشرے کے علاوہ اس میں دکنی سماج اور دکنی طرز حکومت کا بھی نہایت عمدہ نقشہ کھینچا گیا ہے۔ دکن جس میں ہر طرح کی دولت جمع تھی مگر پھر بھی کبھی کسی غریب کے کام نہ آسکی۔ بچپن سے نام نہاد بادشاہوں کی عزت کا طوق صرف اس وجہ سے ذہنوں میں ڈال دیا جاتا تھا کہ وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے محترم تھے۔ بچوں کو بچپن سے یہ بات بتائی جاتی تھی کہ یہ سلطنت ہے تو ان کا وجود بھی ہے اگر یہ سلطنت ختم تو مسلمان نیست و نابود۔ پھر "پدرم سلطان بود" کے نشے میں مخمور مسلم معاشرے کی بھی مصنف نے جھلکیاں کھینچی ہیں۔ حالانکہ کہ سلطنت اور اقتدار چھن چکا تھا مگر پھر بھی وہ اسی نشے کی ترنگ میں تھے کہ ہمارے پاس تخت و تاج ہوا کرتا تھا:

عجیب ذہن تھا ہم بد نصیب لوگوں کا یہ تخت و تاج کے مارے غریب لوگوں کا

غریب ہو کے بھی "پاشا"۔۔ "نواب" کہلاتے یہ عرفیت کے غباروں سے خود کو بہلاتے (ص ۴۰)

ہمارا معاشرہ ابتدا سے ہی مذہبی غلامی میں مبتلا رہا ہے اس معاشرے کی طرز کا بیان بھی اس میں شامل ہے۔ غرض مصنف نے اپنی تمام عمر کے سیاسی و سماجی اور ملکی حالات و واقعات کا بیان نہایت عمدگی کے ساتھ اس آپ بیتی میں کر دیا ہے۔ اس طرح یہ آپ بیتی خود نوشت ہونے کے ساتھ ملکی تاریخ کا آئینہ بھی ہے۔ بقول ممتاز حسین:

حمایت کی شاعری اگر ایک طرف اپنی خود نوشت سوانح عمری ہے تو دوسری طرف قومی

تاریخ کا آئینہ بھی۔¹³

اس بنا پر آپ بیتی کی اہمیت اور بھی دو چند ہو جاتی ہے۔ ملکی واقعات کو جس انداز میں حمایت نے دیکھا اور بیان کیا ہے اس کا بیان دوسری بہت کم آپ بیتیوں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔

آپ بیتی لکھنے کا ایک خاص مقصد داخلی احساسات کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر مصنف آپ بیتی لکھتے وقت اپنے داخل کی صحیح عکاسی نہیں کر پاتا تو اس صورت میں آپ بیتی میں شدید تشنگی کا عنصر باقی رہ جاتا ہے۔ اس تناظر میں جب ہم آپ بیتی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حمایت علی نے کمال خوبصورتی کے ساتھ اس فریضے کو نبھایا ہے۔ انہوں نے کسی بھی موضوع کے حوالے سے جب آپ بیتی کا رخ موڑنے کی کوشش ہے تو اس میں بھی داخلی کیفیات کی عکاسی کو ضرور شامل کیا ہے خواہ وہ وطن سے محبت کا بیان ہو، ادبا پر ڈھائے جانے والے مظالم، رشتہ داروں کا ناروا سلوک ہو، خاندان کی عدم توجہی، والدہ سے بے لوث محبت اور ان کی وفات کے موقعے کے احساسات، حاکم وقت کی کم ظرفی ہو یا دنیا کا عمومی مطلبی پن، خوشی کے کسی موقع کا بیان ہو یا غمی اور سانحہ کا تذکرہ، داخل اور باطن میں تضاد کی کیفیت ہو یا انسانی نیچر کے عمومی رویے کا بیان، ان سب سے متعلقہ اپنے داخلی احساسات و کیفیات اور واردات کو بہت عمدگی اور غیر جانبداریت کے ساتھ آپ بیتی میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

۔ اور آج سوچ رہا ہوں کہ زندگی کیا ہے خدا کا ایک کھلونا ہے، آدمی کیا ہے

۔ کہاں سے چل کے کہاں آگئے۔ مگر حاصل؟ وہی ہیں لوگ، وہی راستے، وہی منزل

۔ کوئی شجر ہے نہ حجر ہے، تھکن سی طاری ہے ابھی ہیں کام بہت اور سفر جاری ہے (ص ۳۳۸)

آپ بیتی میں بہت سے مقامات پر مصنف نے نوجوانوں کو بلا واسطہ مخاطب کر کے ان سے کلام کیا ہے اور انہیں نصائح کی ہیں لیکن آپ بیتی کے اختتام پر ایک طویل نظم علیحدہ سے نوجوانوں کو مخاطب کر کے لکھی گئی ہے۔ اس میں نوجوانوں کو ملکی حالات سے آگہی بخشنے کے بعد انہیں بہت سی قیمتی نصائح کی گئی ہیں جن میں انہیں سب سے زیادہ وطن سے محبت، اس کی ترقی کے لیے کوشش اور عمل و جدوجہد کو فوقیت دی گئی ہے۔

۔ مرے لہو کے چراغوں۔۔۔۔۔ مرے جگر پارو تم اپنے دیس کی مٹی اٹھا کے دیکھو تو

۔ ہر ایک ذرہ ہے اپنے لہو میں ڈوبا ہوا حنا سے اپنی ہتھیلی سجا کے دیکھو تو (ص ۳۳۴)

اس کے علاوہ نوجوانوں کو فرقہ واریت سے دور رہنے، محبت و بھائی چارے کو فروغ دینے، علم کی تگ و دو کرنے، کرپشن سے بچنے، درست حکمران چننے وغیرہ سمیت بہت سی قیمتی نصائح سے نوازا گیا ہے۔ یہ حصہ اس قدر شاندار ہے کہ اسے سکول، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بطور درس بھی پڑھایا جانا چاہیے۔ مجموعی طور پر بھی آپ بیتی میں اسی قسم کی قیمتی نصائح کی گئی ہیں۔

آپ بیتی کے لیے مصنف نے منفرد اسلوب اختیار کیا ہے۔ عموماً اس قسم کے موضوع کے لیے نثر کو برتا جاتا ہے مگر حمایت کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے آپ بیتی کی تشکیل کے ضمن میں شاعری کو اختیار کیا ہے اور مثنوی کے رنگ میں

من بیتی اور جگ بیتی کو بیان کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ آپ بیتی باقی آپ بیتیوں سے ایک الگ حیثیت کی حامل ٹھہرتی ہے۔

مصنف نے سادہ اور آسان پیرائے میں اپنی بات قارئین تک پہنچائی ہے۔ مشکل اسلوب کو اگر بالخصوص شاعری میں برتا جائے تو قارئین کے لیے اس درجہ استفادہ کا موجب نہیں بنتا۔ یہی وجہ ہے کہ سادہ اور شستہ پیرائے میں بات کو بیان کیا گیا ہے۔ قصہ اپنے واقعہ اپنے آپ کو خود چلاتا ہے اور قاری وقت کے دھارے میں خود کو بہتے ہوئے محسوس کرتا ہے۔ ایک کے بعد ایک منظر آنکھوں کے سامنے آتا ہے اور اپنے نقش دکھا کر غائب ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ ایک نیارنگ اپنا جلوہ بکھیرنا شروع کر دیتا ہے۔ ان سب کے لیے مصنف نے بیانیہ اظہار کو نظم میں ڈھالا ہے۔

اس بار وہ ملا تو عجب رنگ تھا

الفاظ میں ترنگ نہ لہجہ دنگ تھا

اک سوچ تھی کہ بکھری ہوئی خال و خط میں تھی

اک درد تھا کہ جس کا شہید انگ انگ تھا

پس مصنف نے بیانیہ انداز اختیار کیا ہے اور بات کو قاری کے دل میں اتار دیا ہے اس طرح کہ قاری خود کو اس ماحول کا ایک حصہ محسوس کرتا ہے۔

مصنف نے لسانی تبدیلیوں کے ضمن میں ایک نئے تجربے کے طور پر نظم میں سے فارسی اور عربی کے اثر کو کم کرنے کی شعوری کوشش بھی کی ہے۔ انہوں نے روایت سے انحراف کرتے ہوئے غیر ضروری پابندیوں کو بالائے طاق رکھا ہے تاکہ فکر و اظہار کی کوئی راہ مسدود نہ ہونے پائے اور وہ آسانی کے ساتھ اپنا مدعا بیان کر سکیں۔ بقول حمایت:

دوران تخلیق ایسے کئی مقامات آئے جہاں مجھے شاعری کے مروجہ قرینوں اور مخصوص

پابندیوں سے انحراف کرنا پڑا۔۔۔ میرے خیال میں اردو شاعری کو فارسی اور عربی کی

"لسانی برہمنیت" سے آزاد ہونا چاہیے اور روایت کی ان پابندیوں سے بھی گریز کرنا

چاہیے جو غیر ضروری ہیں اور فکر و اظہار کو مسدود کر رہی ہیں۔¹⁴

اس حوالے سے کچھ جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

میں جو بھی ہوں! مجھے اپنی خبر بھی ہے کچھ کچھ مرے جہاں پہ میری نظر بھی ہے کچھ کچھ

میں جانتا ہوں، جو تخلیق کر رہا ہوں میں بس اپنے آپ کی تحقیق کر رہا ہوں میں (ص ۲۸۷)

آپ بیتی کا ایک نمایاں فی پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں جا بجا تلمیحات کو اسلوب میں برتا گیا ہے۔ تلمیح میں واقعات کا ایک جہاں سما یا ہوا ہوتا ہے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ دریا کو کوزے میں بند کیا ہوتا ہے۔

وہ جس کے ساس سسر تھے نہ جیٹھ دیور تھے جو تھے تو دادا کے کچھ "یوسفی برادر" تھے

وہ گاؤں جو مرے اجداد کا گلستان تھا وہ گلستاں تھا کہاں، اب تو "دشت کنعاں" تھا (ص ۲۵)
 پس "یوسفی برادر"، "دشت کنعاں"، "چاہ یوسف کنعاں" اور "باب علم" وغیرہ کے ذریعے مذہبی واقعات کو تبلیغ کی
 شکل میں کلام میں جگہ دی ہے۔
 تضمین سے مراد کلام میں کسی دوسرے شاعر کے شعر یا مصرعے کو اپنے کلام میں برتنا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر انور
 جمال لکھتے ہیں:

یہ شعری اصطلاح ہے جس سے مراد پناہ میں لینا، ضامن بنانا ہے۔، شرعی شعریات میں

اس سے مراد کسی دوسرے شاعر کا مصرعہ یا شعر اپنی نظم میں لگانا ہے۔¹⁵

اس حوالے سے جب ہم آپ بیتی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں "آئینہ در آئینہ" میں تضمین کے بہت سے نمونے دیکھنے
 کو ملتے ہیں۔ مثلاً حافظ کے مصرعے کی تضمین دیکھیے:

ہر ایک راز، مشیت کے راز کی مانند "رموز مملکت خویش، خسرواں دانند" (ص ۱۸)

اس حوالے سے ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

تو یہ ہو امرے دادا کی کام آئی "سند" "اگر پد رنہ تو اندا پسر تمام تمام کند" (ص ۲۶)

اس طرح کی اور بھی مثالوں سے آپ بیتی بھری پڑی ہے اور اہم بات یہ ہے کہ ایسا نہیں کہ تضمین تحریر یا قرات میں
 رکاوٹ کا باعث بنتی ہے بلکہ وہ بات کو سمجھانے میں اپنا پورا حصہ ڈالتی ہے۔

حمایت کی شاعری میں بے تکلفی پائی جاتی ہے یہی چیز ہمیں آپ بیتی میں بھی جھلکتی نظر آتی ہے۔ حمایت نہایت بے
 تکلفانہ انداز میں بات کرتے ہیں اور یہی بے تکلفی قاری کی طبیعت میں فرحت کا احساس اجاگر کرتی ہے۔ اس حوالے
 سے چند مثالیں دیکھیں:

گزر رہے تھے شب و روز اور گزرتے گئے سی آئی ڈی کی نظر سے بھی ہم اترتے گئے

میں شہر میں بھی کبھی گھوم پھر کے لوٹ آتا کبھی رفیقوں، عزیزوں کے گھر چلا جاتا (ص ۱۰۶)

پس کمال سادگی کے رنگ میں مصنف نے اپنے ارد گرد اور ملکی حالات کا نقشہ کھینچا ہے۔ یہی سادگی ان کی ساری آپ
 بیتی میں نظر آتی ہے۔

"آپ بیتی" ایک مشکل کام ہے جس کے متعلق عموماً سمجھا جاتا ہے کہ لکھنے والا پورے حق کے ساتھ سچ کی تبلیغ نہیں کر
 سکتا اور لازماً کچھ نہ کچھ دبا رہتا ہے اور اخلاقی جرات کی کمی کی بدولت بہت سی قیمتی باتیں منضہ شہود پر آنے سے رہ جاتی
 ہیں۔ لیکن اس حوالے سے جب ہم "آئینہ در آئینہ" کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ایک خوشگوار حیرت کا احساس ہوتا

ہے۔ مصنف نے کمال امانت داری کے ساتھ حتی الوسع حقائق کے ابلاغ کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ علاوہ ازیں عمومی تاریخ، سماج، ثقافت وغیرہ کے بھی گہرے نقوش ہمیں آپ بیتی میں دیکھنے کو ملتے ہیں اور چونکہ مصنف کا اپنا تعلق ادب کے ساتھ ہے اس بنا پر ادبی و تعلیمی جھلکیاں بھی کتاب میں جا بجا بکھری نظری آتی ہیں۔

اسلوبیاتی سطح پر بھی مصنف نے عمدہ کاوش کی ہے۔ ایک تو مصنف نے آپ بیتی لکھنے کے لیے شاعری کی صنف کو اختیار کیا ہے دوسرا اس میں بھی کوشش کی ہے کہ عربی و فارسی الفاظ کو کم استعمال کیا جائے اور سادہ مگر پُرکشش اسلوب اختیار کیا جائے اس کے لیے کہیں وہ تلمیحات کا سہارا لیتے ہیں کہیں تضمین کی خوبیوں سے کلام کو مزین کرتے ہیں اور کہیں اپنے فن کے عمدہ نمونے دکھاتے ہیں۔

عمومی طور پر مصنف "آپ بیتی" کی کاوش میں کامیاب ٹھہرے ہیں اور فکر و فن کے تقاضوں کا بخوبی لحاظ رکھتے ہوئے قوم کی اجتماعی بہتری کے ساتھ ساتھ انفرادی سطح پر بھی اصلاح کی کوشش کی گئی ہے۔

(References)

- 1۔ ہاشمی رفیع الدین، ڈاکٹر، اصناف ادب، مشمولہ اصناف ادب: تفہیم و تعبیر، (مرتبہ) ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء، ص ۱۰۹
- 2۔ صدیقی ابوالعجاز حفیظ، ڈاکٹر، ادبی اصطلاحات کا تعارف، اسلوب، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۷
- 3۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، ادبی اصناف، گجرات اردو اکادمی، حیدرآباد، ۱۹۸۹ء، ص ۱۳
- 4۔ سالک علم الدین، آپ بیتیوں کے بعض نمایاں پہلو، (مضمون) مشمولہ: نقوش، شمارہ ۱۰۰، جون ۱۹۶۳ء، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ص ۵۴
- 5۔ اطہر قسیم، اردو ادب کی آپ بیتیاں۔ تحقیقی و تنقیدی جائزہ، مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص ۴۷ (غیر مطبوعہ)
- 6۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، تاریخ اردو زبان و ادب، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۱۸ء، ص ۴۳۱
- 7۔ حمایت علی شاعر، آئینہ در آئینہ، دنیائے ادب، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۱۲
- 8۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، اردو میں آپ بیتی، (مضمون) مشمولہ: اردو نثر کا فن ارتقاء، مرتبہ فرمان فتح پوری، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۹۳ء، ص ۳۵۰
- 9۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، تاریخ اردو زبان و ادب، ص ۴۳۰
- 10۔ حمایت علی شاعر، آئینہ در آئینہ، ص ۱۱

11۔ ایضاً، ص ۱۲

12۔ ایضاً، ص ۱۲

13۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، تاریخ اردو زبان و ادب، ص ۴۳۱

14۔ ایضاً، ص ۱۳

15۔ انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء، ص ۷۶